سید عابد علی عابد اور جابر علی سید کی فکری مماثلت
مطالعہ کلامِ اقبال کے حوالے سے

ڈاکٹر انیلہ سلیم
اسسٹنٹ پروفیسر اردو، یونیورسٹی آف ایجوکیشن، فیصل آباد

INTELLECTUAL SIMILARITIES
BETWEEN ABID ALI ABID AND JABIR ALI SYED

Aneela Saleem, PhD
Assistant Professor of Urdu
University of Education, Faisalabad

Abstract

Syed Abid Ali Abid and Jabir Ali Syed are two famous Iqbal scholars. They both have largely contributed to Iqbal Studies. This article focuses the similarities found in their works on Iqbal Studies. Besides their peculiarity and difference, their common topics and common source books in English, Arabic, Persian and Urdu have also been studied. Since Abid Ali Abid was the teacher of Jabir Ali Syed, whatever Jabir Ali Syed had said in recognition of his teacher's intellectual status in his autobiography or in his interview, has also been studied.

Keywords:
Allama Iqbal, Iqbal Studies, Oriental College, Syed Abdullah, Krishan Chandon, Bedi, Mirza Muhammad Saeed.

دوفن کاروں میں فکری مماثلت کی تلاش سودمند عمل ثابت ہوتا ہے۔جابر علی سید اردو تنقید کے ایسے دائرۂ فکر سے تعلق رکھتے ہیں جو قدیم وجدید سے ہر اچھی روش کو اپنا کر اسے پروان چڑھانے کے قائل ہیں۔عین ممکن ہے کہ ایک خاص نقطۂ نگاہ سے کسی ادب پارے یا ادیب کی فکر کا مطالعہ اس کے امکانات کو وسعت کی بجائے محدودیت فراہم کرنے کا باعث بنتا ہو لیکن دو عالی فکر ناقدین کی فکر کا سفر ایک ہی سمت میں ہو یا مشترک سمت کی طرف رخ کیے ہوئے بھی نظریات میں اختلاف وانفراد موجود ہو اور تیسری بات یہ کہ مشترک تنقیدی مطالعات کے بعد ان کی تخلیقی باز آفرینی کی بنیاد میں مماثلت اور ظہور میں انفرادیت موجود ہو تو ایسے فکری رجحانات کے حامل دو ناقدین ادب کے تنقیدی فکری سرمایے کا تقابل ادب میں صحت مندانہ عالمانہ رجحان میں وسعت کے فروغ کا باعث بنتا ہے۔

سید عابد علی عابد اور جابر علی سید کے تنقیدی مطالعات کی مماثلت اور فکری سرمایے کا انفراد واختلاف اس رجحان کی ایک اہم مثال ہے۔اردو ادب کے ان دو بڑے ناقدین کے تنقیدی سرمایے پر نظر ڈالی جائے تو بیش تر موضوعات اور چند ایک مضامین کے عناوین مشترک نظر آتے ہیں۔اب دیکھنا یہ ہے کہ آیا ان دو ناقدین کے نظریات ایک دوسرے کی نقل ہیں۔بازگشت ہیں یا ماخوذ۔

جابر علی سید کو تعلیمی سلسلے میں قیام لاہور کے دوران میں جن اساتذہ سے فیض یاب ہونے کا موقع ملا ان میں پروفیسر شیخ محمد اقبال، سید عبداللہ، صوفی تبسم، علم الدین سالک، جوگندر رام رنجن، علامہ شبستری اور سید عابد علی عابد شامل تھے۔اورینٹل کالج میں ایم۔اے فارسی کے زمانہ طالب علمی میں جابر علی سید نے عابد علی عابد سے شاعری پڑھنے کا شرف حاصل کیا۔جابر اپنے اساتذہ میں سے سید عابد علی عابد کو ان کے علمی مرتبے کے حوالے سے بہت پسند کرتے تھے اور ان سے متاثر بھی تھے۔جابر کی ''ایک ادبی خودنوشت'' (غیر مطبوعہ) سے عابد علی عابد کے علمی مرتبے کے اعتراف میں بیش تر اشارات مل جاتے ہیں۔ایک مثال پر اکتفا کیا جا سکتا ہے:

> '' عابد صاحب لیکچر کے سلسلے میں دانتوں تک مسلح آتے تھے۔کوئی طالب علم دم نہ مار سکتا تھا۔ان سے بہت فیض پایا۔میں نے ایک بار اردو ناول کے سلسلے میں کرشن چندر کا نام لیا تو انگریزی میں کہنے لگے:
>
> Don't mention to me Krishan Chandar's and Bedis.
>
> پھر مرزا محمد سعدی دہلوی کا نام لیا اور شاید ''خواب ہستی'' کا بھی''۔(۱)

یعنی شاگرد استاد سے متاثر بھی تھا اور ادبی مطالعات کے سلسلے میں کمرہ جماعت میں براہ راست بحث بھی کی جاتی تھی جو مشترک مباحث وماٰ خذ کی تلاش کے ضمن میں ایک اہم اشارہ ہے۔

جابر علی سید کی وفات (۳جنوری، ۱۹۸۵ء) کے موقع کی مناسبت سے ''فنون'' کے ایک شمارے میں گوشہ جابر علی سید مختص کیا گیا اور اس گوشے میں دیگر تحریروں سے ممتاز تحریر لطیف الزماں خان صاحب کی ہے جس سے جابر کی زندگی کے گوناگوں پہلوؤں پر روشنی پڑتی ہے۔انھوں نے سید عابد علی عابد سے جابر کی دلی ارادت کا ذکر یوں کیا ہے:

> ''دیال سنگھ کالج سے عابد علی عابد تشریف لاتے۔عابد صاحب شاعر، ناقد، موسیقی کے رموز سے آشنا اور بے شمار خوبیوں کے انسان تھے۔سید مرحوم کو سب سے زیادہ عقیدت عابد ہی سے تھی۔عابد صاحب مسلسل ایک گھنٹا لیکچر دیتے اور طلبہ کو سحر زدہ کر دیتے تھے''۔(۲)

جابر علی سید زمانہ طالب علمی ہی سے سید عابد علی عابد کی علمی و ادبی شخصیت سے متاثر تھے۔وہ عابد صاحب کے ادبی مقام و مرتبے کے ضمن میں ان کا ذکر ہمیشہ اچھے الفاظ میں کرتے تھے ان کی ''ایک ادبی خودنوشت'' میں تو ایک سے زائد مقامات پر اس حوالے سے ثبوت ملتا ہی ہے مزید برآں ڈاکٹر عبدالروٗف شیخ کو دیے گئے انٹرویو میں بھی اس ضمن میں درج ذیل الفاظ میں یہ اعتراف موجود ہے:

> ''ان کا لیکچر بڑا زبردست ہوتا تھا جسے ہم مکمل سکوت Pin drop silence کہتے ہیں اور Armed to teeth کہتے ہیں۔یعنی وہ بڑے دلائل فصاحت اور تسلسل کے ساتھ لیکچر دیتے، میں نے اپنی زندگی میں اس سے بہتر پروفیسر نہیں دیکھا۔بطور استاد وہ Versatile تھے، نیاز (فتح پوری) اور مجنوں (گورکھ پوری) کی طرح انسائیکلوپیڈیا یسٹ ہیں۔اگر چہ بطور مصنف وہ اتنے بڑے نہیں مگر وہ بہت بڑے استاد اور اعلیٰ درجے کے پروفیسر ہیں''۔(۳)

درج بالا سطور سے تو یہ بات سامنے آتی ہے کہ سید عابد علی عابد، جابر علی سید کے نزدیک بہت بڑے استاد ضرور لیکن بڑے مصنف نہ تھے لیکن حقیقت اس کے برعکس ہے کہ بیشتر مقامات پر جابر علی سید

نے عابد صاحب کے ادبی مقام کو تسلیم کیا ہے۔ عابد کی ''اصول انتقادِ ادبیات'' اردو تنقید کے اصولی مباحث کی تفہیم میں سنگ میل کی حیثیت رکھتی ہے۔ جابر علی سید نے اس وقیع تالیف کا مفصل تنقیدی جائزہ پیش کیا۔ ان کے ادبی آثار میں یہ تنقیدی جائزہ غیر مطبوعہ صورت میں موجود تھا۔ جابر صاحب کے اہل خانہ کی رضامندی سے راقمہ نے اس مسودے کی ترتیب، تدوین، اور تحشیہ نگاری کے فرائض انجام دیتے ہوئے مارچ ۲۰۱۲ء میں کتابی صورت میں شائع کرایا۔ اردو تنقید میں اصولِ انتقادِ ادبیات کا جو مقام ہے اس کے پیش نظر اس تنقیدی جائزے کی بہت اہمیت ہے۔ انھوں نے ذاتی علم و مطالعے کے ساتھ ساتھ اسے عالمی تنقیدی ادب کے پس منظر میں پرکھا ہے۔ اب تک سید عابد علی عابد کے تنقیدی سرمایے پر جو کچھ لکھا جا چکا ہے، جابر صاحب کے اس تجزیے سے ان مباحث میں اضافہ ہوا ہے۔

جابر علی سید کی یہ تجزیاتی تحریر ان کی تنقیدی تصانیف تنقید اور لبرل ازم (۱۹۸۲ء) اور تنقید و تحقیق (۱۹۸۷ء) سے بھی پہلے کی ہے کیوں کہ اپنے جن تنقیدی مقالات کا ذکر ادبی رسائل کے حوالے سے انھوں نے اس جائزے میں کیا ہے بعد ازاں وہ ان کے تنقیدی مضامین کے مجموعوں میں بھی ملتے ہیں۔ ذیل کی سطور سے واضح ہوتا ہے کہ جابر صاحب ''اصول انتقادِ ادبیات'' کو اردو کے تنقیدی سرمایے کا ایک مفید حصہ سمجھتے تھے:

> ''اصولِ انتقادِ ادبیات واحد جامع اور مفصل کتاب ہے۔ اصولِ تنقید سے متعلق ایسی کتاب نظر نہیں آتی۔ یہ کتاب جامعیت کی حامل ہے (اس پہ میرا ایک سخت مضمون بھی ہے جو ابھی چھپا نہیں)''۔(۴)

جابر علی سید کے ذہن پر سید عابد علی عابد سے ملاقاتوں کا نقش بہت گہرا تھا۔ اس بات کا ثبوت ایک ہی واقعے کا ایک سے زائد بار ذکر ہو جانے سے ملتا ہے کہ ادبی خود نوشت میں پیش کردہ واقعہ کسی قدر اضافے کے ساتھ اصول انتقادِ ادبیات کے تجزیے میں بھی یوں مذکور ہے:

> ''عابد صاحب نے کرشن چندر، راجندر سنگھ بیدی، شوکت صدیقی کے اچھے ناولوں اور ناولٹوں کا کوئی ذکر نہیں کیا۔ ۱۹۴۵ء میں ایک دفعہ ایک طالب علم کے

کرشن چندر کے ناول شکست کا ذکر کرنے پر بڑی Gusto کے ساتھ تحقیری انداز میں کہا "Please don't refer to me Krishan Chandar's and Bedi's" ۔پھر جب اس طالب علم نے مرزا محمد سعید کے خواب ہستی کا ذکر کیا تو وہ شاد ماں سے ہوکر مرزا سعید کے بارے میں گفت گو کرنے لگے ۔اس کی وجہ یہ تھی ۱۹۵۴ء میں عابد صاحب کی عمر چالیس سال سے تجاوز کر گئی تھی ان کا Age Group بدل گیا تھا اور جنریشن گیپ نے ان کے ذہن میں تعصب کے جالے پیدا کر دیے تھے''۔(۵)

ان سطور میں پہلے ۱۹۴۵ء اور پھر ۱۹۵۴ء لکھا گیا ہے ۔۱۹۴۵ء میں عابد صاحب کی عمر ۳۹ سال جب کہ ۱۹۵۴ء میں ۴۸ سال بنتی ہے ۔جابر صاحب نے اپنے زمانہ طالب علمی کا ذکر کیا ہے ۔جابر کا ایم ۔اے فارسی کا سیشن ۴۷۔۱۹۴۵ء تھا ۔۱۹۴۵ء میں جابر صاحب کی عمر ۲۲ سال تھی ۔عین ممکن ہے کہ اقتباس میں مذکور طالب علم خود جابر علی سید ہی ہوں کیوں کہ ناول شکست، گریز اور خواب ہستی ان کے پسندیدہ ترین ناول تھے اور انھوں نے ان ناولوں کے حوالے سے اپنے مطالعات تجزیاتی و تنقیدی صورت میں پیش بھی کیے۔

عابد اور جابر کے تنقیدی مطالعات میں قریب قریب ایک ہی طرح کے مآخذ کا مشاہدہ کیا جا سکتا ہے یعنی عربی، فارسی اور انگریزی تنقیدی تصانیف و تالیفات جن کا حوالہ جابر علی سید کے ہاں تنقیدی تجزیوں سے ملتا ہے وہی نام سید عابد علی عابد کے ہاں بھی موجود ملتے ہیں۔تنقیدی نظریات میں نہ سہی بل کہ طریق کار میں جابر علی سید، سید عابد علی عابد سے متاثر ضرور تھے ۔اس نکتے کا استخراج ''اصول انتقادِ ادبیات'' پر جابر علی سید کے تجزیے کے تحقیقی مطالعے کے بغیر ممکن ہی نہیں کیوں کہ جابر نے عابد صاحب کے تنقیدی شعور اور مطالعے کو گرفت میں لینے کے لیے انھی مآخذ سے استفادہ کیا ہے ۔مشرقی و مغربی ناقدینِ ادب اور ان کے تنقیدی کارناموں کی اس طرح ایک وقیع فہرست بنتی ہے:

- A History of English Criticism.
- A History of Urdu Literature.
- A Hope for Poetry.
- A Literary History of Persia.
- An Experiment in Criticism.
- An Introduction to the Study of Literature.
- Biographia Literaria.
- Critical Approaches to Literature.
- Essays in Criticism.
- La Culture Des Idees.
- Literary Opinion in America.
- Literary Taste.
- New Bearing in English Poetry.
- Principles of Art.
- Philosophy of Rhetoric.
- Princples of Literary Criticism.
- Revaluation.
- Seven Types of Ambiguity.
- Symbol.
- The Great Tradition.
- The Liberal Imagination.
- The Making of Literature.
- The Meaning of Art.
- The Meaning of Meaning.
- The Philosophy of Literary Form.

مذکورہ انگریزی کتب کے علاوہ عربی، فارسی اور اردو کی تنقیدی کتب میں درج ذیل نام ان کے تنقیدی سرمایے میں مشترک نظر آتے ہیں:

- المعجم فی معاییر اشعار العجم
- آئین بلاغت
- بحر الفصاحت
- تسہیل البلاغت
- حدائق البلاغت
- فلسفے کا نیا آہنگ
- قواعد العروض
- کاشف الحقائق
- کشاف اصطلاحات لسانیات

اسی طرح مغرب کے ناقدین ادب میں سے درج ذیل اشخاص معروف کے جابر اور عابد صاحب کے تنقیدی سرمائے میں حوالے ملتے ہیں: ارسطو، ارونگ، الیگزنڈر، سیموئیل، او ہنری، ایبروکرامبی، ایکٹنز، ایذرا پاؤنڈ، ایلیٹ، ایمبل، ولیم ایمپسن، ایمی لاول، اے۔ این۔ وائٹ ہیڈ، آرتھر سائمنز، آرتھر، آرنلڈ بینیٹ میتھیو آرنلڈ، آسکر وائلڈ، آگڈن، بادلیئر، بالزاک، براؤننگ، ای۔ جی۔ براؤن، برٹرنڈ رسل، برگساں، اے۔ سی۔ بریڈلے، بوچے، بورا، والٹر پیٹر، تائن، ترجنیف، ٹالسٹائی، ٹی۔ ای۔ ہیوم، ٹینی سن، جارج سیمپسن، جان مڈلٹن، جانسن، جیمز جائس، چسٹرٹن، چیخوف، ڈرائڈن، ڈیوڈ ڈیشس، ڈیویں، رچرڈ الڈنگٹن، آئی۔ اے۔ رچرڈز، رسکن، رلکے، رولاں، ہربرٹ

ریڈ، زولا، سامرسٹ ماہم، سشکر، سکاٹ جیمز، سوسان لینگر، آر۔ایل۔سٹیونسن، سینٹ بیو، جارج سینٹری، شوپن ہار، شیکسپیر، شیلگل، شیلنگ، سگمنڈفرائڈ، فلابیئر، فلپ ہٹی، کاشلوترو، کارپڈ، کاڈویل، کارلائل، کالنگ وڈ، ایمانویل کانٹ، کانن ڈائل، کراشا، کروچے، کلینتھ بروکس، کولرج، کولیر، کونن ٹلیس، کیتھرائن مینسفیلڈ، کیٹس، کیسرر، کینتھ برک، گبریل مارسل، میکسم گورکی، گولڈسمتھ، لارنس، لائنل ٹرلنگ، لوکس، لونجائنس، ماپاساں، مارنو بن جانسن، مائیکل ارلن، مڈلٹن مری، ملٹن، منرو، میلارمے، نطشے، نکلسن، والٹر سکاٹ، ورجینیا ولف، ورڈزورتھ، ولسن نائٹ، ولیم جیمز، ہاپکنز، ہڈسن، ہنری جیمز، ہنری ملر، ہوریس، ہیگل، یونگ اور ییٹس۔

مشرقی ناقدین ادب میں سیدامدادامام اثر، امیر معزی، امیر الاسلام شرقی، شمس قیس رازی، نجم الغنی رام پوری، نظامی عروضی سمرقندی، نظامی گنجوی اور امام بخش صہبائی کے نام خصوصیت کے ساتھ جابر علی سید اور سید علی عابد کی تنقیدی تحریروں میں بارہا گنوائے گئے ہیں۔

کلامِ اقبال کی فنی وفکری تنقید ہو یا اردو کے ادبی سرمایے کی تنقید جابر علی سید کے ہاں بہت سے موضوعات سید علی عابد کے موضوعات سے مماثلت رکھتے تھے لیکن اس ضمن میں یہ امر دلچسپی کے ساتھ ساتھ جابر صاحب کی انفرادیت کا تعین کرتا ہے کہ مشترک موضوعات اور مآخذ کے باوجود مواد اور نظریات میں فرق ہے۔ اقبال کے کلام میں فنون لطیفہ یا لفظ ومعنی کی مطابقت کی بحث کے سلسلے میں ہر دو ناقدین نے اپنے اپنے تنقیدی مطالعے کے پیش نظر اپنی علمی قابلیت کی انفرادیت قائم رکھی ہے۔ اس حوالے سے جابر صاحب سے ان کی زندگی میں ہی استفسار کیا جانے لگا تھا مثلاً ڈاکٹر عبدالرؤف شیخ نے انٹرویو میں سوال کیا کہ انھوں نے بھی ''اقبال کا فنی ارتقا'' اور ''اقبال ایک مطالعہ'' میں اقبال کے فن کا تجزیہ کیا ہے اور سید عابد علی عابد نے بھی ۳۶-۱۹۳۵ء میں جب اقبال حیات تھے اقبال سے شاعری کے فنی نقطہ نظر سے متعلق گفت گو کی۔ عابد نے اقبال کے کلام کا فکری سے زیادہ فنی جائزہ لیا ہے یوں انھوں نے اقبال شناسی میں جو روش اپنائی ہے کیا اس میں وہ سید عابد علی عابد سے متاثر تھے؟ تو جابر علی سید نے اس اہم سوال کا جواب ان الفاظ میں دیا:

> ''اس کی وجہ یہ ہے کہ مثال کے طور پر اگر آپ غالب کا مجموعی جائزہ لینا چاہیں تو اس میں غالب کے ہاں جو قنوطیت یا امید پرستی ہے۔ اس میں سیکڑوں آدمی لکھ

چکے ہیں جنھیں دہرانا یکسانیت ہے۔اس طرح تو پھر یکسانیت یا تقلیدی رنگ آ جاتا ہے۔اقبال کے بارے میں یہ بات بہت نمایاں ہے کہ سب لوگوں نے فکرِ اقبال پر بہت کچھ لکھا ہے۔عابد صاحب نے عام روش سے ہٹ کر اقبال کے فن کا جائزہ لیا ہے اور مجھے بھی یہ احساس تھا کہ عام راستے سے ہٹ کر اقبال کا جائزہ لیا جائے اور میں نے اپنی کتاب ''اقبال کا فنی ارتقاء'' لکھتے وقت عابد کی شعرِ اقبال نہیں دیکھی تھی، ممکن ہے کہ میں ان کا شاگرد ہوں اور وہ کلاس میں انھی نکات پر بحث کیا کرتے تھے تو غیر شعوری طور پر میں نے ان سے یہ اثر قبول کیا ہو۔تاہم میں نے یہ کتاب اپنے ذوقِ مطالعہ اور تنقیدی مسلک کے حوالے سے لکھی ہے۔عابد کی اقبال سے متعلق کتاب تقلیدی رنگ میں نہیں ہے۔اقبال کے فکر اور فلسفے پر بات کرنا فرسودہ روش اپنانے کے مترادف ہے اور عابد نے کلامِ اقبال پر منفرد زاویہ نگاہ سے مطالعہ کر کے اجتہادی کوشش کی ہے''۔(۶)

سید عابد علی عابد کا مضمون ''اقبال کے کلام میں مطابقت الفاظ و معنی'' جب کہ جابر علی سید کا ''اقبال اور لفظ و معانی کا رشتہ'' کے زیرِ عنوان ہے۔یوں تو مطابقت اور رشتہ ایک ہی معانی کے حامل لگتے ہیں کہ مطابقت بھی دو الگ چیزوں میں قائم کی جاتی ہے اور رشتہ بھی اس حقیقت کے اظہار کے ساتھ ہی جابر علی سید کے ہاں ہمیں لفظ و معانی کی یگانگت کا نظریہ ملتا ہے۔دونوں ناقدین ادب کے نظریات کا مطالعہ کیا جائے تو پتا چلتا ہے کہ سید عابد کے نزدیک ''مطابقت الفاظ و معنی'' کے سلسلے میں نقاد کا حسنِ بیان عاجز اور زورِ کلام بے کار ہو جاتا ہے۔شبلی نے معانی کی نسبت الفاظ کو زیادہ اہمیت دی ہے۔سید عابد نے عربی ناقدین کے نظریات اور فارسی ادبیات کی امثال سے دونوں مختلف نظریات کو اجمالاً پیش کیا ہے کہ کس کے نزدیک معانی، لفظ پر مقدم ہے اور کس کے خیال میں الفاظ، معانی پر اور پھر اقبال کے کلام سے مثال پیش کی۔

جابر علی سید کے نظریے کی طرف رخ کیا جائے تو انھوں نے آغاز ہی میں فلسفہ میں اس خیال کو نہ پا کر علامہ اقبال کو ''فلسفی اقبال'' کہہ کر بحث کا آغاز کیا اور دیگر ادبی امثال کی بجائے کلامِ اقبال کی امثال سے اقبال کے نظریے کو اخذ کرنے کے علاوہ اقبال کی حیات سے بھی کچھ امثال پیش کی ہیں

جن سے اقبال کا نظریہ لفظ و معنی بہت واضح ہو کر سامنے آ جاتا ہے۔

''ضربِ کلیم'' میں اقبال کا ایک قطعہ بہ عنوان ''جان و تن'' ہے جس میں الفاظ و معنی کے تعلق کو اقبال نے فلسفیانہ حوالے سے واضح کیا ہے۔ قطعہ یوں ہے:

عقل مدت سے ہے اس پیچاک میں الجھی ہوئی روح کس جوہر سے خاکِ تیرہ کس جوہر سے ہے؟
میری مشکل؟ مستی و شور و سرور و درد و داغ تیری مشکل؟ مے سے ہے ساغر کہ مے ساغر سے ہے
ارتباط حرف و معنی، اختلاط جان و تن جس طرح اخگر قباپوش اپنی خاکستر سے ہے(۷)

سید عابد علی عابد اور جابر علی سید دونوں نے اس قطعے کے آخری شعر کے ذریعے اقبال کے نظریے کی گرہ کشائی کی کوشش کی ہے۔ عابد صاحب کے خیال میں اس شعر کی تعریف کیسے ہو سکتی ہے۔ اقبال نے معانی کو ''اخگر'' کہا ہے کہ زندگی اور گرمی اس جگہ ہے۔ الفاظ اسی زندگی اور گرمی کے شعلے کی جلی ہوئی راکھ ہیں لیکن بجھی ہوئی نہیں۔ یہی راکھ اخگر کا لباس ہے۔ ایک اور لطیف اشارہ اس میں یہ پوشیدہ ہے کہ معانی نازک اور مطالب دقیق ازلی اور الہامی ہونے کے باعث جب الفاظ کا لباس پہنتے ہیں تو کسی نہ کسی حد تک اصل مطلب کے کچھ پہلو بیان ہونے سے رہ جاتے ہیں۔ کیوں کہ الفاظ انسان کے وضع کردہ ہیں اور ان میں اتنی صلاحیت نہیں کہ افکار و خیالات کے تمام لطیف پہلوؤں کے حامل ہو سکیں۔ اس لیے اقبال نے کہا کہ اخگر کا کچھ حصہ ہی جل کر راکھ بنتا ہے۔ معانی کے انوار میں کچھ کمی ہوتی ہے تب الفاظ کا جامہ قبول کرتے ہیں۔ ورنہ وہ اپنی پوری تابنا کی اور گرمی کے ساتھ الفاظ میں سما ہی نہیں سکتے۔(۸)

سید عابد علی عابد کی اس تشریح کے بعد بھی الفاظ و معانی کی دوئی برقرار ہے جب کہ جابر علی سید نے اس شعر کی تشریح کے بعد ایک قطعی نظریہ پیش کیا ہے کہ اقبال کے دوسرے مصرعے میں، پہلے مصرعے میں پیش کیے ہوئے نظریے کو، ایک بالکل نئی تمثیل کی مدد سے واضح کیا گیا ہے۔

جس طرح اخگر قباپوش اپنی خاکستر سے ہے

چنگاری اپنی خاکستر کی قبا پہنے ہوتی ہے۔ اس تمثیل میں اقبال نے داخل اور خارج کی یگانگت اور دونوں کا تخلیقی تعلق واضح کر دیا ہے۔ ساتھ ہی تخلیقی انرجی اور حرارت کی خارجی صورت کو اخگر کی قبا سے

تعبیر کیا ہے۔یہ تمثیل اپنے اندر کئی جمالیاتی اور سائنسی پہلو رکھتی ہے۔سائنس جو یہاں فلسفیانہ طریق کار کا ایک نام ہے۔اس میں ایک خلاق ذہن کا اپنی بہ ظاہر خارجی صورت سے پورا اتحاد ظاہر ہے۔(۹)

جابر صاحب کی پیش کی گئی تشریح سے ان کے ایک واضح نظریے کی طرف اشارہ ملتا ہے کہ اقبال کے ہاں لفظ و معنی میں دوئی نہیں ہے۔لفظ عبارت ہے بولے ہوئے معنی سے، خیال کی خارجی صوتی صورت سے۔یہ ہماری سائنسی منطقی مجبوری ہے کہ ایک وحدت کو دو ٹکڑوں میں تقسیم کر دیتے ہیں۔جب کہ اصل حقیقت یہی ہے کہ دونوں عنصروں میں یگانگت ہے مغایرت نہیں، وحدت ہے دوئی نہیں، یا دونوں ایک ہی حقیقت کے دو مختلف پہلو ہیں۔ایک دوسرے میں مدغم اور علیحدگی کے تصور سے بھی گریزاں اور بے زار۔(۱۰)

سید عابد علی عابد کا انتقادی سرمایہ زیادہ تر اصولی مباحث پر مبنی ہے۔جب کہ عملی تنقید میں کلام اقبال کے حوالے سے ان کی تنقیدات کی اہمیت مسلم ہے۔جابر صاحب نے بھی اس سلسلے میں ایک سے زائد موضوعات پر عابد صاحب کا موقف منفرد انداز میں پیش کیا ہے۔جابر صاحب ہی نے پہلی بار عابد صاحب کے اس تفوق کو تسلیم کیا ہے کہ انھوں نے لفظ و معنی کی وحدت کو اہم گردانتے ہوئے اسے تنقیدی مباحث میں نمایاں مقام دیا ہے مزید یہ کہ ایم۔ڈی تاثیر کے شعری مجموعے ''آتش کدہ'' کے دیباچے میں سید عابد علی عابد نے لفظ و معنی کی وحدت کی طرف یوں اشارہ کیا ہے کہ میں صورت کو معانی سے علیحدہ کر کے نہیں پرکھوں گا کہ نفسیاتی اعتبار سے بے ہودہ بات ہے۔اسلوب کلام اور انداز نگارش اصلاً معانی کی تابع ہے اور معانی سے اس طرح ہم آہنگ ہوتا ہے کہ لفظوں کو جدا کرنا صرف نفسیاتی طور پر ممکن ہے۔

عابد صاحب نے لفظ و معنی کی جس وحدت کی طرف اشارہ کیا ہے اس میں بھی دوئی پنہاں ہے۔اس ضمن میں جابر علی سید نے تجزیاتی انداز اپنایا ہے جو کچھ یوں ہے:

> ''عابد کا نظریہ وحدانی ہے لیکن تابع کی جو اصطلاح اس بیان میں استعمال کی گئی ہے وہ بے معنی اور غیر متعلق ہے اس سے پھر وہی دوئی، علیحدگی ظاہر ہونے لگتی ہے جس سے نجات حاصل کرنا جدید علم معانی اور صورت و معنی کے حقیقی رابطے کا سراغ لگانا ہے''۔(۱۱)

جابر کے مطابق 'تابع' سے صرف اس مطابقت کا سراغ ملتا ہے جو علم بلاغت کا خاصہ ہے جب کہ علم بلاغت کلاسیکی صورت و معنی کی یگانگت کے تصور سے آشنا نہیں۔ اس ضمن میں ایک بار پھر سید عابد علی عابد کے ان الفاظ پر غور کیا جا سکتا ہے جن میں انھوں نے اخگر کے اپنی خاکستر میں قباپوش ہونے کے حوالے سے کہا کہ الفاظ چوں کہ تخلیق انسان ہیں لہٰذا ان میں اتنی صلاحیت نہیں کہ وہ افکار وخیالات کے تمام لطیف پہلوؤں کے حامل ہو سکیں، معانی کے انوار میں کچھ کمی ہوتی ہے تب وہ الفاظ کا جامہ قبول کرتے ہیں۔ جب کہ جابر علی سید کے خیال میں اخگر کی خاکستری قباپوشی کی تمثیل سے داخل اور خارج کی یگانگت واضح ہے ان کا تخلیقی تعلق واضح ہو جاتا ہے۔

یہاں اس نکتے کی وضاحت ہو جاتی ہے کہ سید عابد علی عابد کے خیال میں اقبال نے اس قطعے کے آخری شعر کے دوسرے مصرع میں الفاظ کی بے بسی اور بے کسی کا اظہار کیا ہے جب کہ جابر صاحب کے خیال میں اقبال کی یہ تمثیل لفظ و معنی کی دوئی کے تصور کو ختم کرتی ہے۔ دیکھا جا سکتا ہے کہ سید عابد نے کلامِ اقبال سے ایسی امثال پیش کی ہیں جو لفظ و معنی کے تعلق میں لفظ کی بے کسی پر دال ہیں اور بعد ازاں اقبال کے بیش تر تصورات پر مبنی اشعار کی امثال پیش کر کے ثابت کیا ہے کہ چوں کہ اقبال ایک قادر الکلام شاعر، بلند مرتبہ صناع اور جلیل القدر شاعر ہیں لہٰذا وہ پابندیوں کے باوجود معانی کے اسرار کی تابندگی کو الفاظ کے آئینے میں منعکس کر ہی دیتے ہیں۔ اس خیال کو انھوں نے یوں بیان کیا ہے:

> ''الفاظ و معانی میں مطابقت پیدا کرنا، خیال کے جسم پر الفاظ کا لباس پہنانا کوئی آسان کام نہیں ہے۔ ذرا سوچیے پہلے تو یہ مشکل ہے کہ لطیف ترین خیالات وتفکرات، جو گویا ذہن انسانی کی رسائی کا ثمرہ ہوتے ہیں، قدرتاً الفاظ میں مقید ہونے سے گریز کرتے ہیں۔ فکر کے آگے ایک جہانِ نو اور الفاظ کا وہی ذخیرہ کہن۔ پھر اس کے ساتھ شاعر کے لیے یہ مشکل کہ کسی خاص زمین میں خاص قوافی اور ردیف کے ساتھ اظہار مطلب کرنا ہوتا ہے۔ جس کا نتیجہ عموماً یہ نکلتا ہے کہ مجبوراً معانی کے کئی پہلو ترک کر دینے پڑتے ہیں اور کسی نہ کسی طرح مرکزی خیال کا ادا کر دینا ہی منتہائے مقصود ہو جاتا ہے''۔ (۱۲)

جابر صاحب نے اقبال کے نظریہ وحدت لفظ و معنی کو عابد علی عابد سے مختلف انداز میں ایک

اہم واقعے کے حوالے سے بھی پیش کیا ہے کہ فارمن کرسچن کالج لاہور کے پرنسپل مسٹر لوکس نے جب اقبال سے استفسار کیا کہ رسول مقبول ﷺ پر قرآن کی آیات براہِ راست نازل ہوتی تھیں یا صرف معانی وارد ہوتے تھے اور وہ بعد میں ان کو اپنے لفظوں میں ادا کر دیتے تھے تو علامہ اقبال نے جواب میں کہا کہ وہ پیغمبر تھے اور میں صرف شاعر ہوں مجھ پر دونوں بہ یک وقت نازل ہوتے ہیں پھر رسول مقبول ﷺ پر علیحدہ علیحدہ صورت میں کس طرح نازل ہوتے۔(۱۳) جابر صاحب نے یہ واقعہ روزگارِ فقیر کے حوالے سے درج کیا ہے اور اس واقعہ کی تاریخ کے تعین پر اشارات بھی پیش کیے کہ قطعہ بہ عنوان 'جان وتن' ۳۵۔۱۹۳۴ء کے آس پاس کے عرصے میں ہی تخلیق کیا گیا ہوگا۔

سید عابد علی عابد اور جابر علی سید کے اس مشترک مبحث میں تفوق بلاشبہ عابد صاحب کو حاصل ہے لیکن اقتباسات اور ان کی تشریحات سے واضح ہے کہ جابر علی سید نے اقبال کے تصور لفظ و معنی کو اقبال کی حیات سے امثال کے ذریعے بھی واضح کیا ہے۔ عابد صاحب کے تفوق کے حوالے سے ڈاکٹر عبدالرؤف شیخ کہتے ہیں:

> ''عابد کو یہ تفوق حاصل ہے کہ اس نے ذوق سلیم، وسعت مطالعہ اور اجتہادی نظر کی بدولت مشرقی ناقدین خصوصاً عبدالرحمان (مراۃ الشعر) اور شبلی نعمانی کے لفظ و معانی سے متعلق غلط تصورات کی درست نشان دہی کی ہے۔ اس نے لفظ کو معنی پر فوقیت نہیں دی بلکہ ان دونوں کے کامل ربط کی بات کی ہے کہ لفظ معنی سے جدا نہیں ہو سکتا اور ''الفاظ و معانی'' میں مطابقت پیدا کرنے کے لیے دل بیدار اور چشم بینا کی ضرورت ہے''۔(۱۴)

بلاشبہ ڈاکٹر عبدالرؤف نے سید عابد علی عابد کے مکمل تنقیدی مآخذ تک رسائی حاصل کر کے یہ نکتہ پیش کیا ہے لیکن یہ بھی حقیقت ہے کہ عابد علی عابد نے اقبال کی مثال لفظ و معانی کی کامل مطابقت کے حوالے سے پیش کی ہے جب کہ اس سے قبل کے مباحث میں وہ یہ بھی کہتے ہیں کہ معانی کے انوار میں کمی ہوتی ہے تو وہ الفاظ کا جامہ قبول کرتے ہیں۔ ''اقبال اور لفظ و معنی کا رشتہ'' میں جابر علی سید نے بحث کا آغاز ہی یوں کیا ہے کہ وحدت لفظ و معنی کا نظریہ اسلامی بلاغت میں جمود اور تکرار کا شکار تھا کہ اقبال نے اس پہلو پر فلسفیانہ طریق کار سے نظر کی۔ جابر کے مطابق اقبال سے پہلے بلاغت کے

طریق کار سائنسی، تحلیلی اور تفریقی ہی تھے:

''یہاں تک کہ وہ وقت آیا کہ حیات و کائنات، شعر و نغمہ اور خودی و بے خودی میں نیا نیوکلیس (نیوکلیس) قائم کرنے والا اقبال، پیدا ہوا اور اس نے شعر ہی میں سہی، لفظ و معنی کی عینیت کا راز فاش کردیا''۔(۱۵)

جابر علی سید نے عابد علی عابد کے تفوق کو تسلیم کیا ہے جس کا ذکر پہلے کیا جا چکا ہے۔ دونوں ناقدین کے خیال کی مشترکہ اساس یہ ہے کہ اقبال کی بصیرت ایسی تھی کہ ان کی دور رس نگاہ گویا لفظ کے سینے میں اتر جاتی تھی اور لفظ کے تمام امکانات کو ٹٹول لیتی تھی پھر جب وہ اپنے پیش نظر مطالب کو منتخب الفاظ میں ادا کرتے تو محسوس ہوتا گویا اس مطلب کے لیے یہی الفاظ وضع کیے گئے تھے اور اب ان میں ذرا سا ترمیم و تغیر کیا گیا تو معانی کے لطیف ترین پہلو تشنۂ اظہار رہ جائیں گے۔

یوں کہا جا سکتا ہے کہ سید عابد علی عابد بلاغت کے جس نظریے پر بھی یقین رکھتے تھے یا جابر علی سید کے بلاغت کے ضمن میں جو بھی مطالعات تھے اور انھوں نے اقبال کے ہاں بعض جگہ لفظ و معنی کی تفریقی صورت حال کے علاوہ ایک خصوصی مثال قطعہ (جان و تن) کے حوالے سے اپنی اپنی تشریحات بھی پیش کیں۔ مختلف مطالعات، طریق کار اور پیش کش کے باوجود اقبال کے حوالے سے ان کے نتائج یوں واضح ہوتے ہیں کہ عابد صاحب کے نزدیک اقبال کی چشم بینا نے لفظ و معنی کی وحدت کو ممکن بنایا اور جابر صاحب کے مطابق اقبال نے ایک شعر کی صورت میں جو نظریہ پیش کیا اس نے لفظ و معنی کی وحدت کے بہ ظاہر لاینحل مسئلے کو حل کردیا۔

سید عابد علی عابد اور جابر علی سید کے مشترک تنقیدی خیالات یا مشترک تنقیدی اساس پر مبنی منفرد و مختلف خیالات اقبال کے نظریہ وحدت لفظ و معنی کے علاوہ اور بھی ہیں جن کا مطالعہ سنجیدگی کے ساتھ کیا جانا چاہیے۔

☆☆☆☆☆

حوالہ جات

(۱) جابر علی سید: ایک ادبی خود نوشت (قسط ۲)، فنون، ش: ۲۴، جون جولائی ۱۹۸۶ء

(۲) لطیف الزمان خان: جابر علی سید (تعزیتی مضمون)، فنون (گوشہ جابر علی سید)، ش: ۲۲، مئی جون ۱۹۸۵ء، ص ۸۹

(۳) ڈاکٹر عبد الرؤف شیخ: انتقادی مباحث، ملتان: بیکن بکس، ص ۱۲۳

(۴) ایضاً

(۵) جابر علی سید، اصول انتقاد ادبیات ـــ ایک تنقیدی جائزہ، (مرتبہ) انیلا سلیم، لاہور: دارالنوادر ۲۰۱۲ء، ص ۸۲

(۶) ڈاکٹر عبد الرؤف شیخ: انتقادی مباحث، ص ۱۲۷

(۷) علامہ محمد اقبال: کلیاتِ اقبال، لاہور: اقبال اکادمی، ۲۰۰۴ء، ص ۵۶۸

(۸) سید عابد علی عابد: نقائسِ اقبال، لاہور: اقبال اکادمی، ۱۹۹۰ء، ص ۲۶

(۹) جابر علی سید: اقبال کا فنی ارتقاء، لاہور: بزم اقبال، ۱۹۷۸ء، ص ۸

(۱۰) ایضاً، ص ۷

(۱۱) ایضاً، ص ۱۲

(۱۲) سید عابد علی عابد: شعرِ اقبال، لاہور: سنگ میل پبلی کیشنز، ۲۰۰۳ء، ص ۱۸۴

(۱۳) جابر علی سید: اقبال کا فنی ارتقاء، ص ۴

(۱۴) ڈاکٹر عبد الرؤف شیخ: عابد فن و شخصیت، لاہور: بزم اقبال، جولائی ۱۹۹۳ء، ص ۳۱۴

(۱۵) جابر علی سید: اقبال کا فنی ارتقاء، ص ۴